

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

اس سے پہلے ان صفحات میں جن انسانی کمزوریوں کا ذکر کیا جا چکا ہے ان سے نوعیت میں مختلف، مگر نفلج کے اعتبار سے قریب قریب اتنی ہی نقصان دہ ایک اور کمزوری بھی انسانوں میں بہ کثرت پائی جاتی ہے جسے ہم "ضعف ارادہ" کا نام دے سکتے ہیں۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان ایک تحریک کی دعوت من کر اسے صدق دل سے لبیک کہتا ہے اور اول اول خاصا بوجھش بھی دکھاتا ہے، مگر وقت گزرنے کے ساتھ اس کی دل چسپی کم ہوتی چلی جاتی ہے، یہاں تک کہ اُسے نہ اُس مقصد سے کوئی حقیقی لگاؤ باقی رہتا ہے جس کی خدمت کے لیے وہ آگے بڑھتا تھا، اور نہ اُس عبت کے ساتھ کوئی عملی وابستگی باقی رہتی ہے جس میں وہ دلی رغبت کے ساتھ شامل ہوا تھا۔ اُس کا دماغ بدستور اُن دلائل پر مطمئن رہتا ہے جن کی بنا پر اس تحریک کو اس نے برحق مانا تھا۔ اُس کی زبان بدستور اس کے برحق ہونے کا اقرار کرتی رہتی ہے۔ اس کے دل کی شہادت بھی یہی رہتی ہے کہ یہ کام کرنے کا ہے اور ضرور ہونا چاہیے۔ لیکن اس کے جذبات سرد پڑ جاتے ہیں اور قوائے عمل کی حرکت مست ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس میں کسی بدیہیتی کا ذرہ برابر دخل نہیں ہوتا۔ مقصد سے انحراف بھی نہیں ہوتا۔ نظر یہی کی تبدیلی بھی قطعاً واقع نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے آدمی جماعت کو چھوڑنے کا خیال نہیں کرتا۔ مگر بس، وہ ارادے کی کمزوری ہوتی ہے جو ابتدائی بوجھش ٹھنڈا ہو جانے کے بعد مختلف شکلوں میں اپنے گمٹے دکھانے شروع کر دیتی ہے۔

ضعف ارادہ کا ابتدائی ظہور کام چوری کی صورت میں ہوتا ہے۔ آدمی ذمہ داریاں قبول کرنے سے جی چڑانے لگتا ہے۔ مقصد کی راہ میں وقت اور محنت اور مال خرچ کرنے سے گریز کرنے لگتا ہے۔ دنیا کے ہر دوسرے کام کو اُس کام پر ترجیح دینے لگتا ہے جسے وہ زندگی کا نصب العین قرار دے کر آیا تھا۔ اس کے اوقات میں،

اس کی محتویات میں، اس کے مال میں، اُس کے نام نہاد مقصدِ حیات کا حصہ کم سے کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور جس جماعت کو وہ برحق جماعت مان کر اس سے وابستہ ہوا تھا اس کے ساتھ ہی وہ صرف نظم اور ضبط کا تعلق باقی رکھتا ہے، اس کے بھلے اور بُرے سے کوئی غرض نہیں رکھتا، نہ اس کے معاملات میں کسی قسم کی دلچسپی لینا ہے۔

یہ حالت کچھ اس طرح بتدریج طاری ہوتی ہے جیسے جوانی پر بڑھا پاتا ہے۔ اگر آدمی اپنی اس کیفیت پر نہ خود متنبہ ہو، نہ کوئی اسے متنبہ کرے، تو کسی وقت بھی وہ یہ سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا کہ جس چیز کو میں اپنا مقصدِ زندگی قرار دے کر جان و مال کی بازی لگانے کے لیے اٹھا تھا، اُس کے ساتھ اب یہ کیا معاملہ کرنے لگا ہوں۔ یوں محض غفلت اور بے خبری کے عالم میں آدمی کی دلچسپی دوڑتی ہے اور وہ اپنی جان ہوتی چلی جاتی ہے، حتیٰ کہ کسی روز بے خبری ہی میں اس کی طبیعت واقع ہو جاتی ہے۔

جماعتی زندگی میں اگر پہلے آدمی کے اندر اس کیفیت کے ظہور کا نوس نہ لیا جائے اور اس کے نشوونما کو روکنے کی فکر نہ کی جائے تو ایک ضعیف الارادہ شخص کی چھوٹ دوسرے تمام اُن لوگوں کو لگنی شروع ہو جاتی ہے جن کے اندر ضعفِ ارادہ پیدا ہو رہا ہو۔ اونگھتے کو ٹھیلنے کا ہانہ مل جاتا ہے۔ اچھے خاصے سرگرم آدمی دوسروں کو کام نہ کرتے دیکھ کر حمزہ بھی کام چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اور کوئی اللہ کا بندہ یہ نہیں سوچتا کہ میں کسی اور کے نہیں، خود اپنے مقصدِ حیات کی خدمت کے لیے آیا تھا، اگر دوسرے اپنا مقصد چھوڑ چکے ہیں تو میں اپنے مقصد سے کیوں دست بردار ہو جاؤں۔ ان لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہوتی ہے جو صرف اس لیے جنت کے راستے پر چلنا چھوڑ دے کہ دوسرے ساتھیوں نے چھوڑ دیا ہے۔ گویا جنت اس کی اپنی منزل مقصود نہ تھی، یا وہ اس شرط کے ساتھ جنت جانا چاہتا تھا کہ دوسرے بھی وہاں جائیں، اور شاید دوسروں ہی کے ساتھ وہ جہنم چلنے کا ارادہ بھی کر لے اگر انہیں اُس طرف ہلتے دیکھے، کیونکہ اس کا اپنا مقصد کوئی نہیں ہے، جو کچھ دوسروں کا مقصد ہے وہی اس کا بھی ہے۔ اس ذاتی کیفیت میں مبتلا ہو جانے والے لوگ ہمیشہ کام نہ کرنے والوں کو مثال بناتے ہیں، کام کرنے والوں میں انہیں کوئی قابلِ تقلید مثال

تاہم بسا غنیمت ہے کہ کوئی شخص بس بید سے سادھے طریقے پر ضعفِ ارادہ کی بنا پر سست پڑ جائے اور سست ہی پڑ کر رہ جائے۔ لیکن انسانی فطرت جب ایک دفعہ کمزوری میں مبتلا ہو جاتی ہے تو دوسری کمزوریاں بھی ابھرنے لگتی ہیں، اور کم ہی لوگ اس پر قادر ہوتے ہیں کہ اپنی ایک کمزوری کی مدد پر دوسری کمزوریوں کو نہ آنے دیں۔ بالعموم آدمی کو اس میں شرم محسوس ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایک کمزور انسان کی حیثیت سے ظاہر کرے، یا اسے برداشت کر لے جائے کہ لوگ اسے کمزور سمجھیں۔ وہ سیدھی طرح اس کا اعتراف نہیں کرتا کہ ضعفِ ارادہ نے اسے سست کر دیا ہے۔ اس کے بجائے وہ اس پر پردہ ڈالنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کرتا ہے، جن میں سے ہر طریقہ دوسرے سے بدتر ہوتا ہے۔

مثلاً وہ کام نہ کرنے کے لیے طرح طرح کے بہانے کرتا ہے اور آئے دن کوئی نہ کوئی عذر لٹکائیں کر کے ساتھیوں کو یہ فریب دینے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کے کام نہ کرنے کا اصل سبب مقصد سے لگاؤ اور دلچسپی میں کمی نہیں ہے بلکہ کچھ واقعی رکاوٹیں اس کی راہ میں حائل ہیں۔ یہ گویا سستی کی مدد پر جھوٹ کو بلانا ہے اور یہاں سے اس آدمی کا اخلاقی تنزل شروع ہوتا ہے جس نے اول اول صرف ترقی کی بلندیوں پر چڑھنا چھوڑ دیا تھا۔

یہ حیلہ جب پُرانا ہو کر بے کار ثابت ہونے لگتا ہے اور آدمی کو خطرہ ہوتا ہے کہ اب اصل کمزوری کا راز فاش ہو چاہتا ہے تو وہ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ دراصل اپنی کمزوری کی وجہ سے سست نہیں ہوا ہے، بلکہ جماعت کی کچھ خرابیوں نے اسے بد دل کر دیا ہے۔ گویا آپ خود تو بہت کچھ کرنا چاہتے تھے مگر کیا کریں، ساتھیوں کے بگاڑنے دل توڑ کے رکھ دیا۔ اس طرح یہ گرتا ہوا انسان جب ایک جگہ قدم نہیں جما سکتا تو اور زیادہ نیچے اتر جاتا ہے اور اپنی کمزوری کو چھپانے کی خواہش اسے یہ منظرہ اپنی گردن پر لینے کے لیے آمادہ کر دیتی ہے کہ جس کام کو بنانے کے قابل وہ نہ رہا تھا اسے اب بگاڑنے کی کوشش شروع کر دے۔

ابتدائی مرحلے میں یہ بددلی کا معاملہ عمل رہتا ہے۔ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت کیوں بد دل ہیں۔ خرابیوں کی مہم شکایتیں دینی زبان سے ظہر ہوتی ہیں، مگر ان کی کوئی تفصیل معلوم نہیں ہوتی۔ سانھی اگر حکمت سے کام لیں اور اصل مرض کو سمجھ کر اس کا مداوا کرنے کی فکر کریں تو یہ گرتا ہوا شخص مزید گرنے سے رک بچ سکتا ہے اور اوپر اٹھایا بھی جا سکتا ہے۔ لیکن اکثر نادان دوست کچھ بے جا جوش کی وجہ سے، اور کچھ اپنے جذبہ استعجاب کی تسکین کی خاطر کھویج کہ یہ شروع کر دیتے ہیں اور اسے اجمال کی تفصیل بیان کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اپنی بددلی کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے ہر طرف نظر دوڑاتا ہے۔ مختلف افراد کی انفرادی کمزوریاں چُن چُن کر جمع کرتا ہے۔ جماعت کے نظام اور اسکے کام میں نقائص ڈھونڈتا ہے۔ اور ایک فہرست بنا کر سامنے رکھ دیتا ہے کہ یہ ہیں وہ خرابیاں جنہیں دیکھو دیکھو کہ آخر کار یہ خاکسار ہمدول ہو گیا ہے۔ یعنی اس کے استدلال یہ ہوتا ہے کہ مجھ جیسا مردِ کامل، جو سب کمزوریوں سے پاک تھا، ان کمزوریاں تھیں اور اس نقائص سے لبریز جماعت کے ساتھ بھلا کس طرح آگے چل سکتا ہے؟ اور یہ طرز استدلال اختیار کرتے وقت شیطان اُسے یہ بات بھلا دیتا ہے کہ اگر واقعی معاملہ یہ تھا تو سست پڑنے کے بجائے یہ تو اور زیادہ سرگرم ہونے کا متقاضی تھا۔ جس کام کو آپ اپنی زندگی کا نصب العین ٹھہرا کر انجام دینے کے لیے اٹھے تھے اُسے اگر دوسرے اپنی خامیوں سے بگاڑ رہے تھے تو آپ اور زیادہ جوش و خروش کے ساتھ اسے بنانے میں لگ جاتے اور اپنی خوبیوں سے دوسروں کی ان خامیوں کا تراز ک فرماتے۔ آپ کے گھر میں آگ لگی ہو اور گھر کے دوسرے افراد اُسے بچھانے میں کوتاہی برتیں تو آپ بد دل ہو کر بیٹھ جائیں گے، یا بیٹے ہوئے گھر کو پکانے کے لیے ان کو تازہ دستوں سے ہڑھ کر چابک دستی دکھائیں گے؟

اس مولیٰ کا سب سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنی غلطی پر مردہ ڈالنے اور اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش میں خود اپنے نامہ اعمال کا سارا حساب دوسروں کے نامہ اعمال میں درج کر ڈالتا ہے اور بھول جاتا ہے کہ نامہ اعمال کا کوئی ریکارڈ ایسا بھی ہے جس میں کسی کی مکاری سے ایک شوشر بھی نہیں بدل سکتا۔ وہ دوسروں کے نامہ اعمال میں بہت سی وہ کمزوریاں گناتا ہے جن میں وہ خود

مبتلا ہوتا ہے۔ وہ جماعت کے کردار میں بہت سی اُن خرابیوں کی نشان دہی کرتا ہے جن کے پیدا کرنے میں اس کا اپنا حصہ دوسروں سے کم نہیں، کچھ نہ زیادہ ہی ہوتا ہے۔ وہ اُن کاموں پر سراپا شکایت بنا ہوا نظر آتا ہے جو اس کے اپنے کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور جب وہ کہتا ہے کہ یہ کچھ دیکھ کر اس کا دل ٹوٹ گیا ہے تو اس کے معنی صاف یہ ہوتے ہیں کہ ان سب چیزوں سے وہ خود بری الذمہ ہے۔

کوئی انسانی جماعت کمزوریوں سے خالی نہیں ہوتی، نہ کوئی انسانی کام ناقص سے پاک ہوتا ہے۔ دنیا میں کبھی ایسا نہیں ہوا اور نہیں ہو سکتا کہ انسانی معاشرے کی اصلاح و تعمیر کے لیے فرشتے فراہم ہوں اور سارا کام معیارِ کمال کے مطابق کریں۔ کمزوریاں ڈھونڈیے تو کہاں نہ مل جائیں گی، ناقص تلاش کیے تو کس جگہ وہ نہ پائے جائیں گے۔ انسانی کام کمزوریوں اور خامیوں کے ساتھ ہی ہوا کرتے ہیں اور معیارِ کمال پہ پہنچنے کی ساری کوششوں کے باوجود کسی ایسی حالت پر پہنچنے کی، کم از کم اس دنیا میں، امید نہیں کی جاسکتی جہاں انسان اور اس کا کام مستور و قدر و س ہو جائے۔

اس حالت میں اگر کمزوریوں اور خامیوں کی نشان دہی اس غرض کے لیے ہو کہ انہیں رفع کرنے اور معیارِ کمال کی طرف بڑھنے کے لیے مزید جدوجہد کی جائے تو اس سے زیادہ مبارک کام کوئی نہیں۔ انسانی کاموں میں جو اصلاح و ترقی بھی ممکن ہے اسی طریقے سے ممکن ہے، اور اس سے غفلت تباہ کن ہے۔ لیکن اگر انفرادی کمزوریاں اولاً اجتماعی خامیاں اس لیے تلاش کی جائیں کہ انہیں کام نہ کرنے اور بدل ہو کر بڑھ جانے کے لیے بنانا نہ بنا نا ہو، تو یہ خالص شیطانی و سوسہ اور نفسِ امارہ کا کرہ ہے۔ یہ بہانہ بہتر سے بہتر ممکن حالات میں بھی ہر جگہ جو انسان کو مل سکتا ہے، اس بہانے کا سداً باب اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک فرشتوں کی کوئی ٹولی انسانی جماعتوں کی جگہ لیٹنے کے لیے نہ آجائے۔ اور اس بہانے کو پیش کرنا کسی ایسے شخص کو زیب نہیں دیتا جو خود کمزوریوں اور خامیوں سے اپنی ذاتِ اقدس کے پاک ہونے کا ثبوت مہیا نہ کر دے۔ اس طرح کی باتوں کا حاصل کبھی یہ نہیں ہوتا کہ کوئی کمزوری دور ہو، یا کوئی خامی رفع ہو جائے۔ بلکہ یہ کمزوریوں اور خامیوں کو بڑھانے کا مجرب نسخہ ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص یہ راہ اختیار کر کے

اپنے گرد و پیش کے دوسرے تمام ضعیف الارادہ لوگوں کے لیے ایک غلط مثال بن جاتا ہے۔ وہ ان سب کے پیراہہ دکھا دیتا ہے کہ اپنے ضعف کا اعتراف کر کے ٹکڑے بننے سے بچیں، اور جو اپنے نفس کو بھی فریب دے کر مطمئن کریں۔ اُس کی پیروی میں بہرے عمل آدمی بددلی کا ڈھونگ رچانے لگتا ہے اور اس بددلی کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے ساتھیوں کی کمزوریاں اور جماعت کی خامیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایک فرست تیار کر نی شروع کر دیتا ہے۔ پھر اس سے بدی کا ایک پتھر چل پڑتا ہے۔ ایک طرف جماعت میں عیب چینی و خوردہ گیری اور الزام و جواب الزام کی ایک وبا پھوٹ پڑتی ہے جو اس کے اخلاقی مزاج کا ستیا ناس کر دیتی ہے۔ دوسری طرف اچھے خاصے سرگرم اور مخلص آدمی، جو کسی ضعیف ارادہ میں مبتلا نہ تھے، کمزوریوں اور خامیوں کے اس چوچے سے متاثر ہو کر بددلی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور جب اس مرض کی روک تھام کے لیے کچھ کیا جاتا ہے تو بددلوں کا ایک بلاک بننے لگتا ہے۔ بددلی ایک مسلک اور ایک تحریک کی شکل اختیار کرتی ہے۔ بددل ہونا، بددل کرنا اور بددلی کے حق میں دلائل فراہم کرنا بھانے خود ایک کام بن جاتا ہے، اور جو لوگ اصل مقصد کے لیے کام کرنے میں مست ہو چکے تھے وہ اس کام میں خوب حستی دکھانے لگتے ہیں۔ یوں ان کی مری ہوئی دلچسپی زندہ ہوتی ہے مگر اس شان کے ساتھ کہ اس کا زندہ ہونا اس کی موت سے زیادہ افسوسناک ہوتا ہے۔

یہ ایک اندھڑہ ہے جس سے ہر اُس جماعت کو خبردار رہنا چاہیے جو اصلاح و تعمیر کی سعی کے لیے اٹھے۔ اس کے کارکنوں اور کارفرماؤں کو ضعیف ارادہ کے نقصانات، اور اس کی بسیط اور مرکب صورتوں کے فرق اور ان میں سے ہر ایک کے اثرات و نتائج سے اچھی طرح واقف ہونا چاہیے اور اس کے ابتدائی آثار نمودار ہوتے ہی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔

ضعیف ارادہ بسیط یہ ہے کہ جماعت میں کوئی شخص اس کام کو برحق اور اُس کا بیڑا اٹھانے والی جماعت کو صحیح مانتے ہوئے، عمل سستی، اور دلچسپی میں کمی دکھانی شروع کر دے۔ اس صورت کے رونما ہوتے ہی چند تدبیریں اختیار کرنی چاہئیں۔

ایک یہ کہ ایسے شخص کے حالات کی تحقیق کر کے یہ معلوم کیا جائے کہ اس کی سستی کی وجہ آیا ضعیف ارادہ

ہی ہے یا کچھ حقیقی مشکلات ہیں جو اسے مست کر رہی ہیں۔ اگر حقیقی مشکلات پائی جائیں تو جماعت کو ان سے باخبر ہونا چاہیے تاکہ انہیں رفع کرنے میں ایک رفیق کی مدد بھی کی جائے اور اس کی سستی دوسروں کی نگاہ میں کوئی غلط معنی بھی نہ پہن سکے، نہ کسی کے لیے غلط نظیر بن سکے۔ اور اگر اصل سبب ضعف ارادہ ہی متحقق ہو تو بھونڈے طریقوں سے اجتناب کرتے ہوئے، حکمت کے ساتھ ایسے شخص کے معاملے کو جماعت کے سامنے اُن لوگوں کے معاملے سے ممتاز ہو جانا چاہیے جو حقیقی مشکلات کی وجہ سے کام میں سرگرم نہ ہوں۔ دوسرے یہ کہ ضعف الارادہ آدمی کی حالت جس وقت بھی نوٹس میں آئے اُس کے ضعف کو تذکیر و تلقین اور نصیحت کے ذریعہ سے دور کرنے کی کوشش شروع کر دینی چاہیے۔ خصوصیت کے ساتھ جماعت کے بہتر آدمیوں کو اُس کی طرف توجہ کرنی چاہیے کہ اس کے مرتے ہوئے جذبے کو اکسائیں اور عملاً اسے اپنے ساتھ لگا کر حرکت میں لانے کی سعی کریں۔

تیسرے یہ کہ ایسے شخص کو ٹوکتے رہنا چاہیے تاکہ جماعت میں اس طرح کی سستی اور بے عملی ایسا معمول چیز نہ بن جائے اور دوسرے لوگ ایک دوسرے کا سہارا لے کر بیٹھتے نہ چلے جائیں۔ اگر جماعت کے اندر وقتاً فوقتاً اس امر کا محاسبہ ہوتا رہے کہ کون وقت اور محنت اور مال کا کتنا ایثار کر سکتا ہے اور کتنا کر رہا ہے، اور کس کی کارگزاری اس کی واقعی استعداد سے کیا نسبت رکھتی ہے، تو یہ ہر اس شخص کے لیے کسی نہ کسی حد تک نجات کا موجب ہوگا جو محاسبہ کی میزان میں ہلکا اُتر نہ پا ہو اور یہ نجات لوگوں کو سست پڑنے سے روکتی رہے گی۔ لیکن یہ محاسبہ اس انداز سے نہ ہونا چاہیے کہ بسطِ ضعفِ ارادہ کا مریض مرکبِ ضعفِ ارادہ میں مبتلا ہو جائے۔ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک شخص میں جو کمزوری پیدا ہو رہی ہے اسے اگر رفع نہ کیا جاسکے تو کم از کم بڑھنے نہ دیا جائے۔ نادانی کے ساتھ ضرورت سے زیادہ جوش دکھانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک برائی میں پھنسا ہوا آدمی اس سے شدید تر برائی کی طرف زبردستی پھیل دیا جاتا ہے۔

ضعفِ ارادہ مرکب یہ ہے کہ آدمی اپنی کمزوری پر جھوٹ اور بکر کے پردے ڈالنے کی کوشش کرے اور بڑھتے بڑھتے یہ ثابت کرنے پر اُتر آئے کہ خرابی اُس میں نہیں بلکہ جماعت میں ہے۔ یہ محض ایک کمزوری (باقی برص ۵)

نہیں ہے بلکہ ایک بد اخلاقی ہے جسے کسی ایسی جماعت میں پھنے پھولنے نہ دینا چاہیے جو اخلاقی بنیادوں ہی پر بنی ہو۔ اصلاح کرنا چاہتی ہو۔

اس کا پہلا درجہ یہ ہے کہ آدمی کام نہ کرنے کے لیے جھوٹے عذرات اور بے بنیاد سہانے پیش کرے۔ اس چیز سے چشم پوشی کرنا خود اس شخص سے بھی بے وفائی ہے جس میں یہ اخلاقی عیب ابھرتا نظر آ رہا ہو، اور اس جماعت سے بھی بے وفائی جس کے ساتھ بہت سے لوگوں نے ایک مقصدِ عظیم کی خاطر جان و مال کی بازی لگائی ہو۔ ایسی جماعت میں شریک ہونے والے شخص کے اندر کم از کم اتنی اخلاقی جرأت اور ضمیر کی زندگی ہونی چاہیے کہ اگر اپنے جذبے کی کمزوری کے باعث وہ کام نہ کرے تو صاف صاف اپنی کمزوری کا اعتراف کرے۔ اعتراف تصور کے ساتھ ایک شخص کا عمر بھر اس کمزوری میں مبتلا رہنا اس سے بدتر ہے، ہاں ہر کام میں اس کا ایک مرتبہ بھی اس کو چھپانے کے لیے جھوٹے بہانوں سے مدد لے۔ یہ عیب جب بھی ظاہر ہو اس پر سزائیں ہونی چاہیے اور کبھی اس کی بہت افزائی نہ کی جانی چاہیے۔ عطلگی میں سزائیں کرنے پر وہ اس طریقے سے باز نہ آئے تو پھر یہ جماعت میں اسے ملامت کی جائے اور ان عذرات کی حقیقت کھول دی جائے جنہیں وہ اپنے لیے جھٹکتا بنا رہا ہو۔ اس میں تساہل برتنے کے معنی یہ ہیں کہ جماعت کے اندر ان خرابیوں کا دروازہ کھول دیا جائے جن کی تفصیل ہم ابھی اوپر بیان کر آئے ہیں۔

اس کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ ایک کوتاہ عمل اور سست کار آدمی اپنی اس حالت کے لیے جماعت کے افرادی کمزوریوں اور جماعت کے کام اور نظام کی خامیوں کو ذمہ دار ٹھہرائے اور انہیں اپنی بددلی کا سبب قرار دے۔ یہ درحقیقت خطرے کی سرخ جھنڈی ہے جو اس ہاتھ کا پتہ دیتی ہے کہ اب یہ شخص فتنہ پر داری کی طرف مائل ہو رہا ہے۔ اس موقع پر اس سے بددلی کے اسباب کی تفصیل پوچھنا غلط ہے۔ یہ سوال اس سے کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اُسے اُس فتنے کے راستے پر چلا دیا جائے جس کے سرے پر ابھی وہ پہنچا ہے۔ یہاں اُسے عیبِ چینی کا اذن عام دینے کے بجائے اُس کے دوستوں کو اُسے خدایے ڈرانا چاہیے اور اس کو شرم دلانی چاہیے کہ خود ایک ناقص کارنامہ اور خام کردار لے کر وہ کس منہ سے دوسروں پر تنقید کی جسارت کر رہا ہے۔ محنت کرنے والے، خدمت میں مگرمی دکھانے والے وقت اور مال کا ایثار دکھانے والے اگر تیری کوتاہی عمل کو اپنے لیے بددلی کا موجب ٹھہرائیں تو حق

بجانب ہوں گے، مگر تو کہاں بددلی کا روپ دھارنے چلا ہے جب کہ بد دل کرنے والی خرابیوں کو پیدا کرنے میں تیرا اپنا حصہ دوسروں سے بڑھ کر ہے اور کام خراب کرنے میں تیرا اپنا عمل دوسروں کے لیے نظیر بن رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اپنی تمام کمزوریاں اور خامیاں جماعت کے ظلم میں ضرور آئی چاہیں، اور جماعت کو کبھی اُن کے جاننے سے کترانا اور ان کی اصلاح کی سعی سے منہ موڑنا نہ چاہیے۔ لیکن انہیں بیان کرنا جماعت کے اُن سرگرم خادموں کا کام ہے جو سب سے بڑھ کر خدمت میں جان لڑانے والے ہوں۔ وہی اس کا حق رکھتے ہیں، اور وہی نسیان داری کے ساتھ صحیح تنقید کر بھی سکتے ہیں کسی اخلاقی تحریک میں اس بے حیائی کی ہمت افزائی نہ کی جانی چاہیے کہ کام چور لوگ جو خدمت میں سست اور زردیاد میں خام ہوں وہ بی زبان نے کہ جماعت کی خامیاں اور کمزوریاں بیان کرنے لگیں۔ ایسی تحریک میں اُن کا صحیح مقام شرمندگی و مذمت اور اعتراف تصور کا ہے، ناقد اور مصلح کا نہیں ہو۔ اس مقام پر اگر وہ خود آکھڑے ہوں تو یہ سخت اخلاقی بیماری کی علامت ہے، اور اگر جماعت میں اُن کے لیے یہ مقام تسلیم کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جماعت پر اخلاقی دیوالیہ پن مسلط ہو رہا ہے۔

اس سلسلے میں یہ اصولی بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ایک محرک و متحرک جماعت کے لیے اُس کے تندرست اعضاء کے احساسات کچھ اور معنی رکھتے ہیں اور بیمار اعضاء کے احساسات کچھ اور معنی۔ اس کے تندرست اعضاء وہ ہیں جو اپنے کام کی دُھن میں لگے ہوئے ہوں، اپنا تن من دھن سب کچھ انہوں نے اس کام میں لگا دیا ہو، اور جن کا نامہ عمل یہ بنا رہا ہو کہ وہ اپنی حد استطاعت تک خدمت میں کوئی کوتاہی نہیں کر رہے ہیں۔ بیمار اعضاء وہ ہیں جنہوں نے کبھی اپنی حد و رسع کے مطابق خدمت کا حق ادا نہ کیا ہو، یا جو کچھ خدمت سرگرم رہنے کے بعد ٹھنڈے پڑ چکے ہوں، اور جن کا نامہ عمل اُن کی کوتاہیوں کا صریح ثبوت دے رہا ہو۔ ان دونوں کے احساسات میں یہی فرق ہے جو تندرست آنکھ اور بیمار آنکھ کی بینائی میں ہوتا ہے۔ جماعت اپنی کمزوریوں اور خامیوں کا اگر صحیح اندازہ کر سکتی ہے تو صرف اپنے تندرست اعضاء ہی کے احساسات کے واسطے سے کر سکتی ہے، یہ وہ اعضاء جو کام نہ کر رہے ہوں اور کام پھوٹنے کے لیے اپنی بددلی کا خود اظہار کر رہے ہوں، کبھی اس کا قابلِ اعتماد واسطہ نہیں بن سکتے۔ ان کے احساسات اگر سو فی صدی نہیں تو ۸۰-۹۰ فی صدی گمراہ کن ہوں گے، اور جو جماعت خود کشتی

نہ کرنا چاہتی ہو وہ ہرگز ان کے دیے ہوئے احساسات پر اپنے نتائج کی بنا نہیں رکھ سکتی۔ یہ خیال کرنا کہ کمزوریاں اور خامیاں جو بھی سامنے لا کر رکھ لے، بس گزر گزرا ہیں ان کے آگے توبہ و استغفار شروع کر دینی چاہیے، اور پھر انہی پر اپنے اندازوں کی بنا رکھ کر یہ بھی فیصلہ کر ڈالنا چاہیے کہ کم کیا کچھ کرنے کے قابل ہیں اور کیا کچھ کرنے کے قابل نہیں ہیں، نیکی ہو تو ہو، مگر عقل مندوں کی نہیں، سادہ لوح اور مفصل لوگوں کی نیکی ہے، اور دنیا میں اس طرح کے نیک لوگوں نے نہ پہلے کچھ بنایا ہے نہ اب کچھ بنا سکتے ہیں۔ اپنے کمال کے زعم میں مبتلا ہو جانا جتنی بڑی نادانی ہے اُس سے کچھ کم نادانی یہ نہیں ہے کہ اپنے نقص اور اپنی قوت کا کار کا اندازہ ہرگز و ناکس کے بیان پر کر ڈالا جائے اور یہ نہ دیکھا جائے کہ بیان کرنے و ناکس حد تک صحیح صورت حال سمجھنے اور بیان کرنے کا اہل ہے۔

ایک اور بات جو اس مقام پر خوب سمجھ لینے کی ہے وہ یہ ہے کہ ایک مقصد کے لیے کام کرنے والی جماعت کو اپنے سامنے اخلاق اور صلاحیت کار کے دو معیار رکھنے ہوتے ہیں۔ ایک معیار مطلوب، یعنی وہ انتہائی بلند معیار جس تک پہنچنے کی مسلسل جدوجہد جاری رہنی چاہیے۔ دوسرا کم سے کم قابل عمل ہونے کا معیار (Workable minimum) جس کو لے کر کام چلایا جا سکتا ہو، اور جس سے نیچے گر جانا قابل برداشت نہ ہو۔ ان دونوں قسم کے معیاروں کے مولدے میں مختلف ذہنوں کے لوگ مختلف طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔

ایک فن اصل مقصد کے لیے کام کرنے کو چنداں اہمیت نہیں دیتا۔ کام بنے یا بگڑے یا بالکل ختم ہو جائے، یہ اس کے لیے کوئی زندگی و موت کا مسئلہ نہیں ہوتا۔ وہ اس کام کو چھوڑ کر کبھی مزے سے جی سکتا ہے، اور کام میں شریک رہ کر بھی اس طرح شرکت کر سکتا ہے کہ اس کے وقت، مال اور قوتوں کو جو تک نہ لگنے پانے۔ یہ ذہن بسا اوقات فکر و نظر کی عیاشی کے طور پر، اور کبھی اپنے فرار کے لیے پُر فریب معذرت کے طور پر، اخلاق کے آسمانوں پر اڑتا ہے اور معیارِ مطلوب سے کم پر کسی طرح مطمئن نہیں ہوتا۔ اس سے کم جو کچھ بھی نظر آتا ہے اس پر وہ بڑی بے عیبی اور بددعا کا اظہار کرتا ہے۔ مگر بے عیبی کام کے لیے نہیں بلکہ کام سے فرار کے لیے ہوتی ہے، خواہ یہ فراری ذہنیت شعوری ہو یا غیر شعوری۔

دوسرا ذہن اگرچہ قصور اور اس کے لیے کام کرنے کو بڑی اہمیت، بلکہ پوری اہمیت دیتا ہے، مگر تخیل پرستی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے معیارِ مطلوب اور کم سے کم قابل عمل ہونے کے معیار کا فرق ٹھیک ٹھیک ملحوظ نہیں رکھتا۔

یہ خورد بھی بار بار الجھن میں پڑتا ہے، اور پہلی قسم کے ذہن کی چھوت بڑی آسانی سے اس کو لگ جاتی ہے۔ اس طرح وہ اپنے آپ کو بھی پریشان کرتا ہے اور کام کرنے والوں کے لیے بھی اچھی خاصی پریشانیوں کا موجب بن جاتا ہے۔

تیسرا ذہن وہ ہوتا ہے جسے مقصد کے لیے کام کرنا اور کام چلانا ہوتا ہے، اور جسے اس کام کے بناء اور لگاؤ کی پوری ذمہ داری اپنے اوپر ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ اسے اُس کا مقام خورد ہی اس بات پر عبور کرتا ہے کہ ہر وقت دونوں قسم کے معیاروں کا ٹھیک ٹھیک فرق ملحوظ رکھتے ہوئے کام کرے، اور یہ وہ بگھتا ہے کہ مقصد کی طرف پیش قدمی کی رفتار کسی معقول اور ذہنی سبب کے بغیر متاثر نہ ہونے پائے۔ وہ معیار مطلوب کو کبھی فراموش نہیں کرتا، اس تک پہنچنے کی فکر سے کبھی غافل نہیں ہوتا، اُس سے گری ہوئی ہر چیز ہر سخت تشویش محسوس کرتا ہے، مگر کم سے کم قابل عمل معیار سے کام چلانا ہوتا ہے، اور اس معیار سے گری جانے والے لوگوں کی وجہ سے اپنی اسکیم بدینے کے بجائے نہیں ہٹا کر پھینک دینا زیادہ پسند کرتا ہے۔ اس کے لیے اپنی طاقت کا صحیح اندازہ لگانا اور اس کے مطابق کام کے پھیلاؤ اور اس کی رفتار میں کمی پیشی کرنا توبے شک ضروری ہے۔ اس میں وہ غلطی کر جائے تو اپنے مقصد کو نقصان پہنچا دے۔ لیکن سخت نادان ہو گا وہ شخص جو اس چیز کا اندازہ لگانے میں پہلی اور دوسری قسم کے ذہنوں سے رہ نمائی حاصل کرے۔ اس کے لیے اگر مرد و گار ہو سکتے ہیں تو تیسری قسم کے ذہن ہی ہو سکتے ہیں، اور ان کی معرفت اسے حاصل ہونی چاہیے۔